امرتا پریتم: محبت کا غنائی اِستعارہ

ڈاکٹر طاہرہ اقبال*

Abstract:

"Amrita was individul life style and seprate type of narratr short story writer. In life style her writing relates to love, tolrance and treasure of love fill in heart. When we looke in to narration style, we see that from the same foundation. She depict emborided & artistic feeling and we feel that the heart of words also beating. She know how to give life to the mud.

کالجوں، اسکولوں میں منعقد ہونے والے پنجابی ٹاکروں کے آغاز یا اختتام پر امرتا پریتم کی یہ نظم اِک لازمہ سا ہوگئی ہے۔

''اَج آکھاں وارث شاہ نوں کتے قبراں وچوں بول''

یہ اشعار اتنے تواتر اور اِتنی مدت سے تقریروں کی زینت بنتے چلے آ رہے ہیں کہ لگتا ہے آخر ایک روز وارث شاہ تنگ آ کر قبر سے بول ہی پڑیں گے۔ وارث شاہ کو بولنے پر مجبور کرنے والی امرتا پریتم کہتی ہیں کہ اُن کی زندگی کے حالات و واقعات تو بس رسیدی ٹکٹ جتنی وسعت اور تنوع رکھتے ہیں لیکن اُن کی تخلیقی زندگی کی جہتیں اُسی قدر وسیع اور ہمہ گیر ہیں، لیکن میری وسعتِ نگاہ اُن کی ایک جہت افسانہ نگاری تک ہی محدود ہے۔

امرتا ایک شاعرہ ہیں۔ شاید اسی لیے اُن کا افسانہ بھی اِک سدا بہار گیت ہے لیکن طربیہ نہیں غنائیہ ہے۔ ایسا غنائیہ جو سماعتوں میں رس گھولتا اور دِل و رُوح میں اسرار بھری آسودگی اُنڈیلتا ہے۔ چونکہ وہ اپنے اطوارِ زندگی اور

* صدر شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج خواتین یونیورسٹی، فیصل آباد

فطرت میں عجب ہم آہنگی رکھتی تھیں۔اس لیے اُن کی تخلیق کی آنچ جبلّتوں، جذبوں اور فطرتوں کو آئینہ سا نکھار دیتی ہے۔اُس کی تخلیق سچ کی مٹھاس ہے جس کی کڑواہٹ وہ محبت کے دو بول سے چن لینے کا فن جانتی ہے۔ یہ تلخیاں سیٹی کی وہ ہوک ہیں، جو سندر کے وجود میں پارو کی یاد بن کر سدا بجتی رہتی ہے۔''وے میں بھل گئی موڑ تے آ کے اِک سیٹی مار مترا۔'' اُس نے افسانہ دِل والی بولی میں لکھا ہے۔ یہ حکایتِ دِل ہر افسانے کا مرکزی نقطہ ہے۔سماج ظالم ہے۔رسوم ورواج کی جکڑ بندیاں اور معاشرتی ناانصافیاں کڑی ہیں۔جس کی سیاہ روی کوری ہانڈی کو سیاہ بھوتنی بنا دیتی ہے لیکن اُس کے کورے بدن کی کالک کو نرم ہاتھوں سے کھرچ مانجھ کر صاف کرنے والا منکا بہر حال موجود رہتا ہے، جو کہتا ہے''اب میں اسے دھو کر ہانڈی بنالوں گا۔ماں جواب دیتی ہے مگر اُس کو جادو کیا ہوا ہے۔ابھی میں اس کا جادو اُتاروں گا۔جادو کہاں ہے۔صرف کالک تھوپی ہوئی ہے۔میں ساری کالک اُتار دوں گا۔''(۱)

منکے کے جواب میں امرتا کا فلسفہ حیات پوشیدہ ہے۔

امرتا کے افسانے میں محبت نارسا نہیں ہے اور دِل کی حاکمیت کے سامنے ہر طاقت پسپا ہے لیکن نہ وہ عمر بھر کے ساتھ کی پابند ہے اور نہ ہی جسمانی قربت کی خواہش مند۔وہ تو پل بھر میں دولتِ دِل سے سیر ہوتی اور پھر سدا اِسی سحر میں مقید رہتی ہے۔کیونکہ یہ دِل والا جام ہے، جس سے من کبھی بھرتا ہی نہیں نت نئے جام پینے کا عادی مصور سمیش نندا ایک بار اِس دِل والے جام کو لبوں سے لگاتا ہے تو پھر عمر بھر وہ ختم ہونے کو ہی نہیں آتا۔کیونکہ''ایک لڑکی ایک جام'' کی ٹونی نے کہا تھا۔

''ایک بار جام بھر لو اور جب تک میرے دِل کا یہ جام ختم نہ ہو جائے۔تب تک کسی اور جام سے اپنے ہونٹ نہ لگانا۔''(۲)

سمیش نندا کہتا ہے:

''مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں نے اب تک جتنے جام پیئے تھے وہ اجسام کے جام تھے۔دِل کے جام نہیں تھے اگر کوئی ایسا ہوتا تو پھر جب تک اُس کی شراب ختم نہ ہو جاتی تب تک میں کسی دوسرے جام سے منہ نہ لگا سکتا۔ شاید دِل کے جام کی شراب کبھی ختم نہ ہوتی۔''

خالد فتح محمد ایک لڑکی ایک جام افسانے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''واقعات کو کھولنے کے لیے مصنف نے خود کو راوی بنایا ہے اور فلیش بیک کی تکنیک کا

اِستعمال کر کے کہانی کو مہارت کے ساتھ بیان کیا ہے یہ سماج کی ناانصافی پر مبنی ایک
روایتی کہانی ہے ایسی کہانی جس کی صداقت آفاقی ہے۔''(۳)

یہ دِل کے جام کی تاثیر ہی ہے کہ امرتا کے ہاں اِک مثبت عمل اِک راست رویہ منفی حالات اور کرداروں میں بھی جاری رہتا ہے۔ اس جذبۂ محبت کو اُبھارنے استوار کرنے اور پھر اَمر کر دینے والی ذات بالعموم عورت کی ذات ہے۔ جس کے اندر سے اُمڈتا چھلکتا یہ من کا بھرا پیالہ جنس مخالف کو ایسا ذائقہ عطا کرتا ہے کہ پھر عمر بھر اِس الوہی ذائقے کو نہ بھلا پاتا ہے اور نہ ہی ہل من مزید کی طلب کرتا ہے۔ کیا زندگی اتنی ہی محبت بھری اتنی ہی شانت ہے، جتنی امرتا پیش کرتی ہیں۔

تجھ سے بھی حسین ہیں غم روزگار کے

جیسے فلسفے کا کہیں گزر کیوں نہیں ہوتا۔ امرتا کا ماحول اور معاشرہ بھی تو یہی کھٹور سماج ہے۔ جیسا ہمارا اُس کے گرد بسنے والے انسان بھی تو ایسے ہی دوغلے اور بددیانت ہیں جیسے ہمارے گرد، لیکن فرق یہ ہے کہ امرتا ان خرابیوں کو دست پناہ سے چن چن کر نہیں دِکھاتیں۔ معاشرے کے ناسور دھوپ میں ڈال کر اُن کی سڑاند سے نفرت پیدا نہیں کرتیں۔ ہم جن کوڑھوں کو چنتے اور ان کی غلاظتیں دِکھا دِکھا کر داد چاہتے ہیں کہ کیسے بدبودار زخموں کی ہم نے چیڑ پھاڑ کی ہے۔ امرتا کا رویہ ان کے لیے بھی ماں دھرتی جیسی پوشیدگی اور شفقت کا ہے جو اپنے تھور کے کانٹے جیسے بچے کو بھی اپنی کوکھ میں رکھ لیتی ہے۔ امرتا اگر کوئی منفی کردار دِکھاتی بھی ہے تو اس کے مقابل کھڑے معصوم شانت اور مثبت کردار کا رنگ اتنا چوکھا ہوتا ہے کہ برائی کی سیاہ سطح اُبھرنے نہیں پاتی۔ اُس پر کئی لال گلابی پھول کھل آتے ہیں۔ امرتا اچھے برے کا موازنہ نہیں کرتی نہ اچھائی کے پلڑے میں اپنا وزن ڈالتی ہے۔ نہ برائی سے نفرت پیدا کرنے کو موازنے کی تکنیک اپناتی ہے۔ وہ تو بس دِل والا راگ چھیڑ دیتی ہے۔ جس کی تاثیر اور آہنگ میں سب پایاب ہوتا چلا جاتا ہے۔

''یہاں انھوں نے ایک دوسرے کو ڈھونڈا تھا۔ انھیں لگا جیسے ہر ایک پتھر آج دیوتا بن
آ گیا ہے اور اُنھوں نے پھولوں سے بھری مٹھّیاں چاروں طرف بکھیر دیں جو کچھ
انھوں نے ایک دوسرے سے حاصل کیا تھا تو نہ اُس سے مزید حاصل کیا جا سکتا تھا اور
نہ ہی حاصل کیا ہوا گم ہو سکتا تھا۔ اس لیے پھر راج اور الگ کبھی نہ ملے۔''(۴)

امرتا کا بنیادی فلسفہ اثبات اور استغنا کا ہے۔ زیادہ کی ہوس اور حصول کی خواہش پر اِس جذبے یا فلسفے کی

پاسداری مقدم ہے۔ اِس لیے تو اس کی محرومیاں بھی حزنیہ جیسا مزا دیتی ہیں۔ کبھی لگتا ہے کہ امرتا کی کہانی وہ تعویذ ہے جسے محبت کرنے والے منڈھا کر گلے میں پہن سکتے ہیں یہ تعویذ چھوٹی سی پڑیا میں سما سکتا ہے اور پوری زندگی کو خود میں سموسکتا ہے۔ کبھی خیال آتا ہے کہ منفی رویوں کے خلاف کہیں غصہ کہیں جھنجھلاہٹ کیوں نہیں اُبھرتی؟ نہ مصنفہ میں نہ متاثرہ کرداروں میں ''ہیرے کی کنی کی جندو اس کا جواب دیتی ہے۔ اپنی موت کے محرک پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتی ہے۔

''تم کہتی تھیں نا کہ تمہارا بیٹا ہیرے کی کنی ہے۔ میں نے وہی ہیرے کی کنی کھالی ہے۔''

ہیرے کی کنی نگلتے ہوئے نہ جندو کے لبوں پر شکوہ ہے اور نہ ہی مصنفہ اعصاب شکن کرب ناک منظر پینٹ کرتی ہے۔ امرتا کے ہاں ہر زہر کا تریاق محبت ہے۔ یہ محبت نہ مشتعل ہوتی ہے نہ انتقام پر اُترتی ہے۔ امرتا کے حوصلے اور بڑے دِل پر بعض اوقات تو حیرت ہوتی ہے وہ سب کچھ خود میں سمو لیتی ہے اور بس۔ ایک ہی احساس کشید کرتی ہے۔ احساسِ محبت، کیونکہ امرتا کا بنیادی فلسفہ اثبات، محبت اور استغنا کا فلسفہ ہے۔ وہ حادثے کی شدت یا واقعات کی پیچیدگی میں نہیں اُلجھتی بلکہ روزمرہ کے معمولات اور بنیادی انسانی فطرتوں اور جذبوں سے وہ افسانے کا تار و پود بناتی ہے۔ نہ تو منٹو کی طرح لرزا دینے والے انجام سے حیرت زدہ کرتی ہے نہ بیدی کی طرح تلخیٔ حیات کو گھول کر افسردہ بناتی ہے، نہ عصمت کی طرح اندر کے راز باہر نکال کر انسانی جبلّتوں سے ہمیں شرمسار کرتی ہے۔ نہ علامتوں کا پردہ اور نہ ایمائتوں کا اسرار۔ اُس کی ہر کہانی محبت کے راست رویوں کی کہانی ہے لیکن کسی کا انجام وصل نہیں ہے جس سے جسمانی ملاپ ہے۔ اُس سے دِل نہیں ملتا اور جس کے سنگ دِل دھڑکتا ہے وہاں بدن کبھی مخل نہیں ہوتا۔ یہ فلسفہ امرتا کے افسانوں کی مضبوط اکائی ہے۔ عموماً ہیروئین اور کبھی کبھی ہیرو جہاں جسمانی طور پر رستے بستے ہیں وہاں اپنے فرائض پر قربان ہیں لیکن چپکے چپکے اک من مندر الگ بسا رکھا ہے اور اسی من مندر کی حکایت ہی کہانی کا اصل تھیم ہے۔ من مندر کی اقلیم وسیع سہی لیکن تنوع نہیں رکھتی یہ کمی امرتا اپنے خوبصورت اسلوب سے پوری کرتی ہیں۔ لفظوں کو ایسے چنتی اور افسانے میں پروتی ہے جیسے موسیقی میں لرک جو افسانے کی تکنیک پر بجتے ہیں۔ یہ ایسی مصنفہ ہے جو لفظوں کی بندش میں کھلتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑے بڑے فلسفے اور دانش کے اسرار بھر دیتی ہے۔ اس کے فن کی کلید یہی دانش افروز نپے تلے جملے ہیں۔ واضح صاف لیکن پرتاثیر اور منفرد کہ نوکِ دِل سے لکھے گئے ہیں۔ مندر کی پجارن کے اشلوک کہ برہا کی ماری کے گیت۔ لیکن غزل کے عاشق جیسی بے صبری اور کم ہمتی ہرگز

نہیں ہے۔

امرتا اِک الگ طرزِ حیات اور منفرد طرزِ بیان کی افسانہ نگار ہے۔ طرزِ حیات میں اُس کا طرز اگر محبت، استغنا اور متاعِ سرمایۂ دِل ہے تو طرزِ بیان میں انھی زمینوں کے خدوخال نکھارنے کو ایسی کشیدہ کاری اور مصوری کہ لفظوں کے دِل بھی دھڑکنے لگیں۔

امرتا معمولی مٹی کو خدا بنا دینے کا فن جانتی ہے۔ بس اسی فلسفے کو اُس نے رُخ اور زاویے بدل بدل کر لکھا ہے۔ ایسے ہی جیسے کوئی مغنیہ محبت کا کوئی گیت الاپتی ہے تو سماعتیں مسحور اور دِل مسرور ہو جاتے ہیں۔ امرتا کا افسانہ بھی اسی سحر اور طمانیت سے بھرا ہے۔

امرتا پریتم اگر چہ پنجابی زبان کی لکھاری ہیں وہ بھی گورمکھی رسم الخط میں لکھنے والی وہ شاید اُردو رسم الخط پڑھنا بھی نہ جانتی تھیں۔ اس کے باوجود اُردو قارئین اُن کے اُردو تراجم کے سحر میں ہی مخمور ہیں۔

یہ اُن کے زوردار بیانیہ کا اعجاز ہے کہ افسانوں پر کہیں ترجمے کا گمان بھی نہیں گزرتا۔ اُن کا اِظہار یہ فکر اور سچائی کے اُس نقطۂ اِتصال کو چھو لیتا ہے کہ ترجمے کی مغائرت ختم ہو جاتی ہے اور وہ خود ہماری زبان میں ہمارے دل کی بات ہمارے کان میں ڈال دیتی ہیں، اور ہر سچ کہنے والے کے حرفوں میں ایسی ہی تاثیر ہوا کرتی ہے۔ خود رسیدی ٹکٹ میں کہتی ہیں:

> ''آج جو کچھ اپنے دل کے عمیق ترین گوشوں سے نکال کر کاغذوں کے اُوپر رکھ رہی ہوں۔ یہ صرف اُن کے لیے ہے جو دُنیا کی روایتوں اور اُداسیوں کو دروازے سے باہر بٹھا کر دل کے سچ کو اندر بیٹھ کر جینے کا حوصلہ کر سکتے ہیں۔'' **(۵)**

امرتا کی شخصی خوبی یہی سچ اور دیانت ہے جس نے اُن کے کرداروں کو اور خصوصاً نسوانی کرداروں کو ایک عجیب دھیرج اور سبھاؤ بخشا ہے۔ یہ کردار کسی سرگرمی میں شدت یا جذباتیت کے قائل نہیں ہیں البتہ خلوص اور دیانت خلقی خوبی ہے اور یہی خوبی امرتا کی شخصیت اور فن کی بنیاد ہے۔

حوالہ جات

۱۔ امرتا پریتم، افسانہ 'کوری ہانڈی'، ''انمول افسانے''، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۸۰

۲۔ امرتا پریتم، افسانہ 'ایک لڑکی ایک جام'، ایضاً، ص ۱۶۴

۳۔ خالد فتح محمد، ادبیات امرتا پریتم نمبر، شمارہ ۸۶۔۸۵، اکتوبر ۲۰۰۹ء تا ۲۰۱۰ء، ص ۹۰

۴۔ امرتا پریتم، افسانہ 'ہڈیاں اور پھول'، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، ص ۵۹۹

۵۔ امرتا پریتم، ''رسیدی ٹکٹ''، ساگر پبلشرز، لاہور، س۔ن، ص ۱۱۴